شرکت اقتدار اور اسلامی تحریک

اخوان المسلمون اردن کے تجربات' ایک مطالعہ

ڈاکٹر عزام تمیمی ○ / محمد ایوب منیر

زمانۂ قدیم سے دریائے اردن کے مشرقی کنارے کی سرزمین' مغربی کنارے سے سیاسی اور ثقافتی طور پر منسلک چلی آ رہی ہے۔ یہ خطہ اسلامی قلمرو کا حصہ رہا۔ بعدازاں ساتویں صدی میں یہ رومی سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔ خلافت عثمانیہ نے سولھویں صدی میں یہاں اقتدار حاصل کیا جو ۱۹۲۰ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد دریا کے دونوں کنارے برطانیہ کے زیر تسلط آ گئے۔

دریا کے مشرقی کنارے پر ۱۹۲۱ء میں شرق اردن کی امارت قائم ہوئی۔ حکومت انگلستان نے والی حجاز کے بیٹے' شہزادہ عبداللہ کو اس خود مختار ریاست شرق اردن کا امیر متعین کر دیا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو لندن میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے اور برطانیہ نے اس علاقے کو ایک خود مختار ریاست تسلیم کر لیا۔ ۲۵ مئی ۱۹۴۶ء کو امیر عبداللہ نے شاہ کا لقب اختیار کیا۔ ۱۷ جون ۱۹۴۶ء کو معاہدے کی توثیق ہوئی اور اس علاقے کو ہاشمی سلطنت اردن کا نام دیا گیا۔

۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد دریائے اردن کے مشرقی اور مغربی کنارے متحد کر دیے گئے تاکہ فلسطین کا وہ علاقہ جو عربوں کے ماتحت تھا' اسرائیلی تسلط سے آزاد رہے۔ ۱۹۵۰ء میں اس اتحاد کی توثیق ہوئی اور اس کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔ ۱۷ برس بعد ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران اسرائیل نے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۸۸ء کو شاہ حسین نے اعلان کر دیا کہ اسرائیل کے مقبوضہ مغربی کنارے کا قبضہ حاصل کرنے کی کوششیں ہم ترک کر رہے ہیں اور آیندہ تحریک آزادی فلسطین

○ ڈائرکٹر' ادارہ فکر اسلامی' لندن

اس علاقے کی دعوے دار اور حق دار ہو گی۔

اپنے قیام کے بعد سے، اس مملکت پر چار بادشاہ حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ شاہ عبداللہ ابن الحسین (۱۹۲۱-۵۱ء)، شاہ طلال ابن عبداللہ (۱۹۵۱-۵۲ء)، شاہ حسین ابن طلال (۱۹۵۲-۹۹ء) کے بعد موجودہ بادشاہ عبداللہ ابن حسین ہیں۔ موجودہ اردن کی سرحدیں شمال میں مملکت شام، مشرق میں عراق، جنوب مشرق میں سعودی عرب، جنوب میں خلیج عقبہ اور بحراحمر، اور مغرب میں اسرائیل اور مغربی کنارے (دونوں مل کر تاریخی فلسطین) سے ملتی ہیں۔ اس ملک کا مجموعی رقبہ تقریباً ۹۰ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اردن کی سرزمین کا ۸۸ فی صد رقبہ بنجر ہے تاہم اس کی مغربی پٹی کے ساتھ زرخیز رقبے پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۹۹۴ء کی مردم شماری کے مطابق اردن کی آبادی ۴۱ لاکھ تھی۔ اردن کی غالب آبادی اہل سنت مسلمانوں پر مشتمل ہے، جب کہ عیسائیوں کی بھی معقول تعداد (۸ فی صد) آباد ہے۔ عربی سرکاری زبان ہے تاہم انگریزی بھی بولی سمجھی جاتی ہے۔ آبادی کی غالب اکثریت میں ۹۸ فی صد آبادی عرب ہے۔ دو فی صد آبادی کاکیشیا اور چیچن نسلوں پر مشتمل ہے۔

اردن کا دستور ۱۹۴۹ء میں تحریر پایا، ۱۹۵۲ء میں نافذ ہوا اور اس کے بعد اس میں کئی بار ترامیم ہوئیں خصوصاً ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۶ء میں بہت سی ترامیم متعارف کرائی گئیں۔ دستوری طور پر یہ ایک موروثی بادشاہت ہے، جہاں پارلیمانی نظام حکومت ہے۔ دستور میں ریاست کے اختیارات و فرائض، قوانین ریاست کی تنفیذ، ہنگامی اختیارات اور دستوری ترامیم کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ دستور مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ حیثیت عطا کرتا ہے۔ (۱)

دستور کی دفعہ ۳۰ کے مطابق، بادشاہ سربراہ ریاست ہے اور تمام ذمہ داری اور جواب دہی سے مبرا ہے۔ دوسری دفعات اسے یہ اختیار عطا کرتی ہیں کہ وہ قوانین میں تبدیلی کر سکے اور ان کی تنفیذ کر سکے، حکومت کو ہدایت جاری کرے کہ ذیلی قوانین اور ضابطے وضع کیے جائیں اور ان کا نفاذ کیا جائے۔ شاہی فرمان کے ذریعے عدالتی اختیارات استعمال کر سکے اور جب وہ مناسب سمجھے ایوان زیریں کا اجلاس بلائے، اس میں وقفہ کرے، اسے معطل کرے، یا اسے تحلیل کر دے۔ شاہ اردن وزیراعظم اور دیگر وزرا کا بھی تقرر کرتا ہے اور انھیں برخواست کرنے کا بھی حق رکھتا ہے۔

دستور کے مطابق قانون سازی کا اختیار شاہ اردن اور پارلیمان کے پاس ہے۔ پارلیمان کا ایک ایوان بالا (سینیٹ) ہے جس کے ارکان کی تعداد ۴۰ ہے اور ان کی نامزدگی شاہ کرتا ہے۔ ایوان زیریں کے ارکان کی تعداد ۸۰ ہوتی ہے جن کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ ۱۸ سال سے زائد عمر کے مرد و زن حق رائے دہی استعمال کر سکتے ہیں۔

۵ فروری ۱۹۷۶ء کو پارلیمان کے دونوں ایوانوں نے دستور میں ترامیم کی منظوری دی۔ ان ترامیم کے بعد شاہ کو یہ حق بھی حاصل ہو گیا کہ انتخابات کا انعقاد تااطلاع ثانی ملتوی کر دے۔ نتیجتاً ایوان زیریں ختم کر دیا گیا کیونکہ مغربی کنارے میں انتخابات کا انعقاد ممکن نہ ہو سکا تھا جو ۱۹۶۷ء سے اسرائیلی قبضے میں چلا آ رہا تھا۔ پارلیمان کا اجلاس ۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو منعقد ہوا۔ مارچ ۱۹۸۴ء میں ضمنی انتخابات ہوئے اور چھ ارکان مغربی کنارے کے لیے نامزد کیے گئے اور اس طرح پارلیمان کے ارکان کی تعداد ۶۰ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۸۴ء میں خواتین نے پہلی بار ووٹ ڈالے۔ ۸ نومبر ۱۹۸۹ء کو پھر انتخابات ہوئے۔ پارلیمان کی نشستوں کی تعداد ۸۰ تک پہنچ گئی اور دریائے اردن کے مشرقی کنارے سے نمایندے منتخب کیے گئے۔

اخوان المسلمون اردن

۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو اخوان المسلمون کی اردن شاخ کا آغاز ہوا اور عبداللطیف ابو قراء اس کے سربراہ بنے۔ نصب العین اور طریق کار میں اخوان کی مادر تنظیم مصر سے اس کا کوئی اختلاف نہ تھا جس کو ۱۹۲۸ء میں حسن البناؒ نے قائم کیا تھا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ابو قراء کے بجائے عبدالرحمٰن خلیفہ سربراہ بنے جنھوں نے مرکزی ذمہ دار کے لیے المراقب العام (نگران اعلیٰ) کا لفظ متعارف کرایا۔ ۳ اپریل ۱۹۵۴ء کو ایک بیان تحریک کی طرف سے جاری کیا گیا جس میں اہم مسائل پر اخوان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا: "اردن، مسلم دنیا کا ایک ناقابل تقسیم حصہ ہے۔ شریعت کے مطابق حکومت کا قیام اخوان کی خواہش اور منزل ہے۔ فلسطین کا مسئلہ ایک اسلامی مسئلہ ہے اور اس کے لیے تمام مادی اور اخلاقی وسائل بروے کار لائے جائیں تاکہ عالم گیر صیہونیت اور صلیبی حملوں سے اسے آزاد کرایا جاسکے"۔ (۲)

اخوان نے حکومت کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا، وہ اس یقین پر مبنی ہے کہ اندرونی و بیرونی عوامل نے اردن کی آزادی اور خودمختاری کو محدود کر دیا ہے۔ جنگ عظیم اول اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے نتیجے میں قائم ہونے والی اردن کی مملکت نئے عالمی نظام کا حصہ تھی، اس لیے اردن کی حکومت کے سیاسی فیصلوں کا اس نئے نظام سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اردن کو کمزور اور بیرونی امداد کا محتاج رکھا جائے۔ اس حقیقت کا آغاز میں اخوان کو احساس نہ تھا۔ لیکن ۱۹۹۰ء میں وہ کابینہ کا حصہ بنے تو انھیں معلوم ہوا کہ وسائل سے محروم ایک چھوٹے سے ملک کے ان گنت مسائل کے لیے بہت کچھ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر بے انتہا قرضے ہیں۔ اپنے قیام ہی سے اردن کے اخوان ہاشمی حکومت کو قانونی حکومت تسلیم کرتے ہیں اور کسی بہتر متبادل کی تلاش میں نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں، حکومت نے ان کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا اور بالخصوص بحرانی حالات میں نظم و ضبط اور امن عامہ کے قیام کے لیے اس پر بھروسا کرنے لگی۔ دوسری طرف مصر، عراق اور شام میں اخوان کے ساتھ وہاں کی حکومتوں نے جو پالیسی اختیار کی

اس کے اثرات یہاں پہنچے' نیز ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں حکومت کے اسرائیل سے ہزیمت اٹھانے کے بھی اثرات ہوئے اور یہاں کے اخوان میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ ان کے رویے میں لچک اور مفاہمت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ سید قطب ؒ اور ان کے رفقا کی تحریریں بھی اس کا سبب بنیں۔

سید قطب ؒ (۶۶-۱۹۰۶ء) کو ۱۹۵۴ء میں ۱۰ برس قید کی سزا ہوئی اور پھر ۱۹۶۶ء میں انھیں پھانسی دے دی گئی۔ ۵۰ کے عشرے ہی سے ان کو اخوان المسلمون کا اہم مفکر سمجھا جانے لگا تھا۔ ان کی کتاب معالم فی الطریق [جادہ و منزل' ترجمہ: مولانا خلیل احمد حامدی ؒ] ان کو پھانسی دیے جانے اور ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شکست کے بعد عالم عرب میں بڑے پیمانے پر مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں سید قطب ؒ نے جاہلیت کے تصور پر بحث کی ہے جس سے نجات دلانے کے لیے اسلام آیا تھا۔ مسلم معاشرہ' سید قطب ؒ کے مطابق' بذات خود دو حصوں میں یعنی اسلام اور جاہلیت میں منقسم ہو کر رہ گیا ہے۔ مولانا مودودی ؒ (۷۹-۱۹۰۳ء) کے اس نظریے سے استدلال کرتے ہوئے کہ اسلام جاہلیت کے دور میں پھر لوٹ آیا ہے اور اسلام کے حقیقی علم بردار اپنے آپ کو مرتدوں کے خلاف حالت جنگ میں پاتے ہیں' سید قطب ؒ نے کہا کہ حقیقی مسلمان جو کہ ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے ہیں' ایک لادینی یا ملحد معاشرے سے' ایک متبادل معاشرے کے طور پر الگ ہیں اور انھیں الگ رہنا چاہیے۔ اس طرز فکر کے نتیجے میں سید قطب ؒ نے جمہوریت کے تصور کو رد کر دیا اور اسے اجنبی' ناقابل عمل اور "جاہلیت" قرار دیا۔ مولانا مودودی ؒ کے حاکمیت الٰہیہ کے تصور کو بنیاد بناتے ہوئے انھوں نے جمہوریت کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کی مخالفت کی۔ ابتدا میں وہ اس بات کے بھی مخالف تھے کہ اسلام کو جمہوری کہا جائے یہاں تک کہ انھوں نے ایک ایسی منصفانہ آمریت کے لیے بھی آواز اٹھائی جو صرف نیک لوگوں کو سیاسی آزادیاں دے دے۔ (۳)

اس نقطۂ نظر کی وجہ سے ۷۰ اور ۸۰ کے عشروں میں انقلابی عناصر کو اخوان کی اکثریت کی حمایت حاصل رہی۔ لیکن جب اخوان نے ۱۹۸۹ء کے پارلیمانی انتخابات میں جوش و خروش سے حصہ لیا' اور اس کے ۲۲ نمایندے اور ۱۰ دوسرے آزاد اسلام پسند افراد ایوان نمایندگان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو اس کے نتیجے میں ایک معتدل رجحان شامل ہوا۔ اخوان کا یہ پہلا پارلیمانی تجربہ نہیں تھا۔ ۱۹۵۴ء میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں بھی اخوان نے چند نشستیں حاصل کر لی تھیں تاہم اس کو نمایاں کامیابی ۱۹۸۹ء ہی میں حاصل ہوئی اور تحریک کے روایتی اعتماد' فعالیت اور وقار میں بھی اضافہ ہوا۔

پارلیمان میں اخوان

یہ ایک تاریخ ساز لمحہ تھا جب اخوان نے اپنا پیغام پہنچانے اور اپنے موقف کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لیے پارلیمان کو ایک مؤثر پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا۔ تحریک اخوان کا مقصد یہ تھا کہ ایوان

نمایندگان کے ذریعے معروف کا حکم دیا جائے اور منکر سے روکا جائے۔ ۱۹۸۹ء کے انتخابات سے قبل جو اخوان پارلیمان میں پہنچتے رہے، انھوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہم اخوان کی نمایندگی کر رہے ہیں یا ان کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اخوان نے کبھی بھی اپنے آپ کو سیاسی جماعت نہ سمجھا اور نہ ہی کوشش کی کہ انھیں سیاسی جماعت تسلیم کیا جائے۔ ۱۹۵۳ء میں اس وقت کے وزیراعظم کی جانب سے ایک خصوصی اجازت نامے کے ذریعے اخوان کو ایک ادارے (society) کی حیثیت سے رجسٹر کیا گیا تھا اور ابھی تک اخوان کی قانونی حیثیت ایک ادارے ہی کی ہے۔

۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد، شاہ حسین نے پارلیمان کو معطل کر دیا۔ طویل تعطل کے بعد ۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو یہ بحال ہوئی۔ چار سال قبل، انتخابات میں حصہ لے کر اور بلدیاتی انتخابات میں بے مثال نمایاں کامیابی حاصل کر کے اخوان جمہوریت کی مٹھاس چکھ چکے تھے۔ آزاد جمہوری عمل کی بدولت ہی یہ ممکن ہوا کہ مدابہ کی بلدیاتی کونسل میں اخوان نے غلبہ حاصل کر لیا (مدابہ عمان سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے)۔ قبل ازیں یہ بلدیاتی کونسل مسیحی اقلیت کے کنٹرول میں چلی آرہی تھی۔ مدابہ کے تجربے نے اخوان کو یہ جرات عطا کی کہ وہ ۱۹۸۴ء کے ضمنی انتخابات میں اپنے دو ممبر نامزد کر دیں اور ایک آزاد، اسلام پسند امیدوار کی حمایت کا اعلان کریں۔ اس طرح وہ ایوان نمایندگان میں اپنے چند اور لوگوں کو بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ بلدیاتی اور پارلیمانی انتخابات نے اخوان کو یہ موقع بھی فراہم کیا کہ اسلامی سیاست کے حق میں بڑھتی ہوئی فضا میں اپنی مقبولیت کا بھی جائزہ لے سکیں۔ انتخابات میں حصہ لینے سے وہ مہم چلانے، ہم خیال گروہ (lobby) تیار کرنے اور اتحادوں کی تشکیل کے تجربات سے خوب آشنا ہو گئے۔ اس حقیقت کا ادراک موجود تھا کہ جب تک انتخابات شفاف، مبنی بر عدل اور مداخلت سے محفوظ رہیں گے، جمہوریت کا رخ اسلام پسندوں کی طرف رہے گا۔

کچھ مدت کے بعد زید رفاعی کی حکومت نے، جو شام کی حکومت کے ساتھ بہتر تعلقات کی خواہش مند تھی، اخوان پر پابندیاں عائد کر دیں۔ اخوان پر پابندی عائد ہونے کے بعد ان پر سرکاری طور پر جو دباؤ ڈالا گیا وہ اس سے تو نسبتاً کم تھا جو مشرق وسطیٰ یا شمالی افریقہ کی حکومتیں اپنے ممالک کی اخوانی تحریکات پر ڈال رہی تھیں لیکن تحریک اور حکومت کے درمیان غیر معمولی تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اخوان کے اہم اراکین کو ان کی ملازمتوں سے برخواست کر دیا گیا۔ ان میں معتدل مزاج ڈاکٹر عبداللطیف عربیات بھی شامل تھے جو بعد میں پارلیمان کے اسپیکر بنے۔ جس وقت انھیں ملازمت سے برخواست کیا گیا اس وقت وہ وزارت تعلیم کے انڈر سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ جو لوگ عتاب کا شکار ہوئے، ان میں جامعات کے اساتذہ بھی تھے۔ ان میں سے کئی بعد میں پارلیمان کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ مشتبہ افراد کی فہرست میں ان حضرات کو شامل کیا

گیا جو معروف تھے یا جن کے بارے میں خیال تھا کہ یہ اخوان کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ سرکاری اور پرائیویٹ ملازمت اور سفر کی پابندی ان پر عائد کر دی گئی۔ اچھے کردار کا سرٹیفکیٹ ہر اس شہری کے لیے لازم کر دیا گیا جو پاسپورٹ کے لیے درخواست دے، جو بیرون ملک جانا چاہتا ہو یا جسے کسی ملازمت کی تلاش ہو۔ اس فضا سے شدید مایوسی اور ناامیدی پھیلی اور ان عناصر کے موقف کو تقویت ملی جو یہ سمجھتے تھے کہ شام اور مصر میں اخوان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، حالات اس نہج پر جا رہے ہیں کہ حکمرانوں سے ایسا ہی ٹکراؤ اردن میں بھی ہونے والا ہے۔

تحریک کی اپنی صفوں میں عدم اطمینان اور غم و غصے کی فضا ایک ایسے وقت میں پیدا ہو گئی جب ملک میں اقتصادی مظاہروں کی پُرتشدد لہر چل رہی تھی۔ یہ اپریل ۱۹۸۹ء کا زمانہ تھا۔ فسادات کا آغاز ماعن کے جنوبی شہر سے ہوا۔ بعدازاں یہ فسادات شمال اور جنوب کے دوسرے شہروں میں بھی پھیل گئے۔ جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ اخوان کا ان فسادات میں کوئی ہاتھ نہیں ہے، جبکہ قبل ازیں حکومت نے فوراً ہی یہ رائے قائم کر لی تھی کہ ان فسادات کے پیچھے اخوان کا ہاتھ ہے۔

شاہ اردن نے انقلاب روکنے اور برہم عوام کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے جو اقدامات کیے ان کے نتیجے میں اہم سیاسی اصلاحات منظرعام پر آئیں۔ اس سے اخوان پر دباؤ کم ہوا اور ان کے شریک اقتدار بننے کا راستہ ہموار ہو گیا۔

انتخابات کا تجربہ

۱۹۸۹ء کے موسم گرما میں، شاہ اردن نے وزیراعظم زید رفاعی کو وزارت عظمیٰ سے فارغ کر دیا اور اس کے بعد اس منصب پر آنے والے زید بن شاکر کو پارلیمانی انتخابات کی تیاری کا حکم دیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ انتخابات شفاف اور منصفانہ ہوں گے۔ اخوان کے چند لوگ، خصوصاً پرجوش افراد جو شکوک و شبہات کا شکار تھے، ان کا کہنا تھا کہ ناراض عوام کو راضی کرنے کے لیے شاہ اردن نے ایک چال چلی ہے۔ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ شاہ کا یہ اقدام نیک نیتی پر مبنی اور بروقت ہے اور ساری دنیا میں جمہوریت کے حق میں جو فضا پروان چڑھ رہی ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ خدشات رکھنے والے افراد نے انتخابات کے قابل عمل، جائز اور معقول ہونے کے بارے میں کئی سوالات اٹھائے۔ کچھ سوال نظریاتی تھے اور کچھ تکنیکی نوعیت کے بھی تھے۔ بنیادی حلقوں سے مجلس شوریٰ تک یہی سوال زیربحث تھا کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے یا نہیں، اسی پر گرما گرم بحثیں اور طویل نشستیں منعقد ہوئیں۔ (۴)

تحریک کی مجلس شوریٰ ہر چار سال کے بعد براہ راست منتخب کی جاتی ہے۔ اخوان کے ارکان ملک کے طول و عرض میں شاخوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر شاخ سے مجلس شوریٰ کے لیے ایک رکن منتخب کیا جاتا

ہے۔ بعدازاں شوریٰ کے افراد سات رکنی مجلس عاملہ تشکیل دیتے ہیں جو المراقب العام کی زیرقیادت تحریک کے معاملات چلاتی ہے۔ المراقب العام اور مجلس عاملہ' مجلس شوریٰ کو جواب دہ ہوتے ہیں۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ اخوان جمہوری طریقہ کار پر کاربند چلے آرہے ہیں لیکن تنظیمی سطح پر جمہوریت کا عملی تجربہ انھیں ۱۹۸۹ء میں ہوا۔ تحریک کو انتخابات میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں' یہ مسئلہ شاخوں کے غوروفکر کے لیے پیش کیا گیا۔ اکثریت نے حصہ لینے کے حق میں رائے دی۔ جن لوگوں کا خیال تھا کہ انتخابات میں حصہ لینے کے فوائد زیادہ ہیں اور نقصانات کم ہیں' وہ غالب رہے۔ جن کا خیال تھا کہ اسلام اور جمہوریت کا کوئی جوڑ نہیں ہے' وہ ناکام رہے۔ ایک نیا اسلامی طرز عمل سامنے آرہا تھا۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے مقابلے میں اب کہا گیا کہ جمہوریت ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک طریق کار ہے۔ شہری و انسانی حقوق اور معاشرتی آزادی کو شخصی استبداد سے بچانے کے لیے اس کو ایک معقول ہتھیار سمجھا گیا۔

انتخابات کے حامیوں نے کئی ایسے دلائل دیے جن سے ان کے مخالفین خاموش ہو گئے۔ کہا گیا کہ اگر انتخابات میں سازباز ہوئی اور ساری انتخابی سرگرمیاں تھیٹر کے ڈرامے کی حیثیت اختیار کر گئیں تب بھی اخوان کے لیے انتخابات سے باہر رہنے کے مقابلے میں اندر رہنا بہتر ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ پارلیمان کے محدود اختیارات ہیں اور اسے شاہ کسی بھی وقت معزول کر سکتا ہے' تب بھی پارلیمان کے اندر ایک اسلامی آواز کا ہونا اس سے بہتر ہے کہ کوئی آواز بلند کرنے والا ہی نہ ہو۔ کئی اور فوائد بھی گنوائے گئے' مثلاً یہ کہ مہم کی مدت کے دوران' اخوان کو عوام الناس سے براہ راست رابطے اور گفتگو کا کھلا موقع ملے گا۔ انھیں ملک کے مسائل پر کھل کر بات کرنے اور اس کا حل پیش کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسا پہلے نہیں ہوا۔ مہم کے دوران انھیں یہ موقع بھی مل جائے گا کہ اس مہم کو دعوت کے لیے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کریں جو سرکاری ایجنسیوں کی مداخلت سے محفوظ ہو گا۔ علاوہ ازیں اس عمل کے نتیجے میں اخوان کی مقبولیت اور اس کے پیغام کی عوام میں پذیرائی کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ اس قابل بھی ہو سکیں گے کہ اپنی قوت اور اثرات کا جائزہ لے سکیں اور اپنے دفاتر اور ممبران کی کارکردگی کو پرکھ سکیں۔

چونکہ مشرقی اور مغربی کنارے کے درمیان انتظامی تعلقات کار دو برس قبل منقطع ہو چکے تھے' اس لیے کئی قسم کی اصلاحات متعارف کرائی گئیں۔ ایک طرف پارلیمان کی نشستوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا اور وہ ۶۰ سے ۸۰ ہو گئیں۔ دوسری طرف نئے انتخابی حلقے قائم کیے گئے۔ مسیحیوں' سرکاشیہ' چیچن اور بدویوں کے لیے ۳ فی صد کے قریب نشستیں مختص کر دی گئیں۔ چونکہ اخوان کی صفوں میں عیسائی نہیں تھے' سرکاشیہ' چیچن اور بدوی گروہوں میں سے بھی کم ہی لوگ اخوان کا حصہ بن سکے تھے اس لیے نئے

حلقوں کا اضافہ اصلاً تحریک کو محدود رکھنے کی کوشش تھی۔ اخوان نے محسوس کیا کہ ان اصلاحات کے باوجود انھیں موقع ملے گا کہ ان حلقوں میں اپنی قوت کا جائزہ لے لیں جہاں ان کے مضبوط امیدوار ہیں یا جہاں معقول تعداد میں اخوان کے حامی موجود ہیں۔ چنانچہ مختلف انتخابی حلقوں میں ۲۷ افراد کو نامزد کیا گیا۔

اخوان نے ملک کے طول و عرض میں ایک کتابچہ تقسیم کیا جس میں تحریک کے انتخابی پروگرام کی تفصیلات کے ساتھ نامزد افراد کی تصاویر اور ان کا مختصر تعارف و خدمات درج تھیں۔ انتخابی جلسے انتہائی مؤثر ثابت ہوئے۔ عوام الناس کی اکثریت کو انتخابی جلسوں میں کھینچ لانے میں کوئی اور جماعت اس قدر کامیاب نہ رہی، جتنی کہ اخوان ہوئی۔ تحریک نے اپنے ارکان اور حامیوں میں یہ شعور بیدار کیا کہ انتخابی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے حامیوں کے نام درج ہونا اور ان کے پاس ووٹنگ کارڈ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اخوان کے شعبہ خواتین "الاخوات" نے خواتین کو تیار کیا کہ وہ انتخابات میں اپنا حق رائے دہی استعمال کریں۔ چونکہ قانونی طور پر مسلح افواج اور پولیس کے ملازمین ووٹنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے اس لیے رجسٹرڈ ووٹوں کا ۶۵ فی صد خواتین پر مشتمل تھا۔

اخوان سے باہر کے کئی اسلام دوست افراد نے ان حلقہ ہاے انتخاب میں کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا جہاں اخوان کے لوگ بھی اپنے کاغذات جمع کرا چکے تھے۔ چونکہ اخوان کی نامزدگیاں کم تھیں اور نشستوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اسلام دوست افراد نے کئی نشستوں سے کاغذات جمع کرائے۔ ایسے انتخابی حلقے بھی تھے جہاں اسلام پسند آزاد امیدوار اور اخوان کے نمایندے کے سوا کوئی امیدوار نہ تھا۔ غیر ضروری امیدواروں کے امکانات کو معدوم کرنے کے لیے اخوان نے کچھ مقامات پر اتحاد بنایا تاکہ ان امیدواروں کا خصوصاً راستہ روکا جاسکے جو ملک میں اسلامی نظام کے یکسر مخالف تھے۔ چار مختلف حلقہ جات میں اخوان نے چار مسیحی امیدواروں کے ساتھ بھی تعاون کیا۔ ان میں سے اخوان کے حمایت یافتہ دو مسیحی امیدوار کامیاب بھی ہو گئے۔

اسلامی پارلیمانی بلاک کی تشکیل

اخوان کے لیے یہ بڑی خوشی کا باعث ہوتا اگر ۲۷ میں سے ۱۰ نشستیں بھی مل جاتیں۔ حکومت کا خیال تھا کہ یہ لوگ چار سے چھ نشستیں جیتیں گے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ تاہم اخوان نے ۲۲ نشستیں جیت لیں اور تقریباً تمام حلقوں میں ان کے کامیاب ہونے والے امیدواروں کے ووٹ بھی دوسرے حلقوں میں جیتنے والے ان کے مخالفین سے بہت زیادہ تھے۔ اخوان کے علاوہ، ۱۰ اسلام پسند بھی کامیاب ہوئے اور انھوں نے ایک مؤثر اسلامی پارلیمانی بلاک تشکیل دے دیا۔

پارلیمان کی سرگرمیوں میں سرفہرست نئے نامزد وزیراعظم بدران اور اخوان کی قیادت کے درمیان

مذاکرات شامل تھے۔ بدران نے اخوان کی قیادت سے کہا کہ آپ ہمیں اعتماد کا ووٹ دیں' ہم آپ کو پانچ سے سات وزارتیں دے دیں گے۔ یہ مذاکرات ناکام ہو گئے کیونکہ اخوان کا مطالبہ وزارت تعلیم کا تھا' جب کہ اس کی پیش کش ہی نہ کی گئی تھی۔ مذاکرات کی ناکامی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اقتدار میں شرکت کے اس تجربے کے لیے' جس کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی' اخوان ذہنی طور پر یکسو نہ ہو سکے تھے۔

حکومت کا شریک بننے کی شدید مزاحمت اندرونی طور پر اخوان میں موجود تھی۔ انقلاب پسند عنصر کا خیال تھا کہ ایسی حکومت کا حصہ بننا جس کی بنیاد اسلامی شریعت نہ ہو' اسلام کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کے مترادف ہوگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عرب ممالک کے اس وقت کے نمایاں اخوانی علما کا ایک فتویٰ بھی ۱۹۸۰ء کے اوائل سے موجود تھا جس میں ایک غیر اسلامی حکومت میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن اس فتوے کو اخوان کے انقلابی عناصر کے ان قائدین نے چھپائے رکھا جو ۱۹۸۰ء کے عشرے کے بیش تر عرصے میں مجلس عاملہ میں غالب رہے۔ آخر کار اخوان کے ممبران پارلیمنٹ نے ۱۴ شرائط پورا کرنے کے وعدے پر بدران کو اعتماد کا ووٹ دے دیا۔ سب سے اہم اور ضروری شرط یہ تھی کہ حکومت شریعت کا نفاذ کرے اور ان تمام قوانین میں تبدیلیاں متعارف کرائے جو اردن کے دستور کی دفعہ ۲ سے متصادم ہیں جس کے مطابق اسلام اردن کا سرکاری مذہب ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اخوان نے اعتماد کے ووٹ والی تقریر اور ۱۴ نکات ایک کتابچے میں شائع کیے اور اسے عوام الناس میں پھیلایا' اس کا عنوان تھا: "ہم نے اعتماد کا ووٹ کیوں دیا؟"

کابینہ میں شمولیت

پارلیمان کے پہلے سال میں اخوان کے ارکان پارلیمان ہی نہیں' ارکان تنظیم کے رویے میں بھی خوشگوار تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ جمہوریت کے مفید اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ آزادی اظہار پر جو پابندیاں عائد تھیں' وہ نرم کر دی گئیں اور خفیہ اداروں کی مداخلت کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا گیا۔ لیکن جب ملکی صورت حال کے حقائق کی کڑواہٹ ان پر آشکار ہوئی تو ان کے اندر مایوسی کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا۔ اردن پر ۱۳ ارب ڈالر کا قرض تھا اور اس نے جمہوریت کا جو تجربہ کیا تھا اس کے جھٹکے ہمسایہ عرب ممالک میں محسوس کیے جا رہے تھے۔

دوسرے سال اخوان کے پارلیمانی گروہ کے سربراہ ڈاکٹر عبداللطیف عربیات اسپیکر منتخب کیے گئے۔ وزیراعظم بدران نے اخوان کو دوبارہ دعوت دی کہ کابینہ میں شمولیت اختیار کر لیں اور ملک کی اصلاح میں کردار ادا کریں۔ اخوان کی مطلوبہ وزارتیں: اوقاف' تعلیم' صحت' انصاف اور سوشل ویلفیئر' دے دی گئیں۔

خلیج کے بحران کے اس موقع پر حکومت اور اس کے مخالفین کے درمیان مثالی اتحاد و اتفاق دیکھنے میں آیا۔ شرکت اقتدار کے چار ماہ کا یہ ہنی مون اس وقت ختم ہو گیا جب امریکہ کے زیر انتظام مشرق وسطیٰ امن مذاکرات کی خاطر وزیر اعظم بدران کو تبدیل کر دیا گیا۔

اسلامی ایکشن فرنٹ کا قیام

شاہ اردن نے ۶۰ ارکان پر مشتمل شاہی کمیشن تشکیل دیا تاکہ وہ سیاسی زندگی اعتدال پر لانے اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور رجسٹریشن کے لیے اصول و ضوابط وضع کر سکے۔ اس کمیشن میں مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ شامل تھے' اسلام پسند گروہ میں ۱۰ میں سے چھ اخوان کے تھے۔

اخوان نے اس کے بعد ایک سیاسی جماعت کے طور پر کام کرنے کے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ اسلامی گروہوں اور افراد کو دعوت دی گئی کہ وہ ابتدائی اجلاسوں میں شریک ہوں تاکہ واحد جماعت تشکیل دی جا سکے۔ جن گروہوں کو دعوت دی گئی ان میں سلفی' سلسلہ صوفیا اور حزب التحریر کے لوگ شامل تھے لیکن کسی نے بھی مذکورہ سیاسی جماعت کے قیام پر اتفاق نہ کیا۔ ان کوششوں سے بالآخر اسلامک ایکشن فرنٹ وجود میں آیا' اس میں اخوان اور کئی آزاد اسلامی شخصیات شامل ہیں۔ فرنٹ کے بارے میں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ جماعتوں کا الحاق نہیں ہے بلکہ یہ اردن کے ان عوام کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے جو اسلام کو اپنا اول و آخر قرار دیتے ہیں۔

اخوان اپنا یہ وعدہ پورا نہ کر سکے کہ فرنٹ' اخوان کا آرگن نہیں بنے گا بلکہ اپنے منشور' ضوابط' انتظامی معاملات اور فیصلہ سازی کے اختیارات کے ساتھ ایک آزاد سیاسی جماعت کا کردار ادا کرے گا۔ دوسرے لوگوں کو فرنٹ میں شامل کرنے کے لیے کہا گیا کہ فرنٹ اخوان کی قیادت سے رہنمائی حاصل نہ کرے گا نہ ہی ان کے کنٹرول میں ہو گا' لیکن اس پر عمل کرنا ناممکن ہو گیا۔ سیاسی پارٹی میں اپنے کو تبدیل نہ کرنے کے لیے اخوان کی روایتی دلیل یہ رہی تھی کہ "وہ اپنے وژن اور وسیع تقاضوں کو ایک سیاسی پارٹی کے تنگ اور محدود دائرے کا پابند بنانا نہیں چاہتے' کیوں کہ ان کے پاس زیادہ جامع پروگرام ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ اخوان کو جمہوری عمل پر زیادہ اعتماد تھا ہی نہیں۔ ان کا نقطہ نظر صرف یہ تھا کہ جب کبھی جمہوریت کو لپیٹا جائے اور سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد ہو (جیسا کہ ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا) تو اخوان پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکے۔

جمہوری عمل پر پابندیاں

نومبر ۱۹۹۳ء میں ہونے والے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات' انتخابی قوانین میں تبدیلی کے بعد منعقد ہوئے اور اسلامی تحریک کو ان انتخابات میں کم تر کامیابی حاصل ہوئی۔ انتخابی قوانین میں ترامیم کے علاوہ

حزب اختلاف نے حکومت پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے مداخلت کی تاکہ حزب اختلاف کے چند نمایندے ہی کامیاب ہوں۔ اخوان کے اندر بھی یہ بحث ہوتی رہی کہ کسے امیدوار ہونا چاہیے اور کسے اسلام پسند امیدواروں کی موجودگی میں سامنے نہ آنا چاہیے۔ ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں اخوان کے ممبران پارلیمان کی تعداد ۲۲ سے کم ہو کر ۱۶ رہ گئی۔

اسلام پسندوں کو قوت و اقتدار سے محروم کرنے کے لیے جو حربے استعمال کیے گئے وہ پارلیمانی انتخابات تک محدود نہ تھے۔ ۱۹۹۵ء میں بلدیاتی کونسلوں کے انتخابات ہوئے۔ اردن کی حکومت نے حزب اختلاف کی تنظیم کو منتشر کرنے کا پرانا حربہ استعمال کیا۔ وہ سرکاری ملازمین جو حزب اختلاف کی حمایت کر رہے تھے' ان کو اپنے علاقوں سے دور دراز مقامات پر تعینات کیا گیا' ان کی جگہ ملک بھر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ملازمین لائے گئے جو حکومت کی پالیسیوں کے حامی تھے۔ انتخابات کے موقع پر' اسلامی ایکشن فرنٹ کے ایسے اہم افراد کو' جو انتخابی مہم اور پولنگ کے مقامات کی نگرانی پر تعینات کیے جانے تھے' گرفتار کر لیا گیا۔ الزام یہ لگایا کہ یہ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے تھے! اسی دوران میں اسلامی ایکشن فرنٹ کے نمایندوں نے الزام لگایا کہ حکومت اور حکومتی مشینری عام شہریوں کو ڈرانے دھمکانے کی مہم چلا رہی ہے تاکہ وہ اسلامی ایکشن فرنٹ کے حق میں اپنے ووٹ استعمال نہ کر سکیں۔

صوبہ زرقا' حکومت کا اہم اور اولین ہدف تھا کیونکہ روایتی طور پر یہ عرصہ دراز سے اسلام پسندوں کا گڑھ چلا آ رہا تھا اور یہاں ان کی کامیابی یقینی تھی۔ اگر اس اہم صوبے میں ان کو ناکام کر دیا جاتا تو یہ پروپیگنڈا کرنا آسان ہو جاتا کہ عوام کی حمایت اسلام پسندوں کے بجائے حکومت کو اور "امن منصوبہ" کو حاصل ہے۔

۱۱ جولائی کو' الیکشن کے دن' زرقا اور رصیفہ کے انتخابی مراکز پر لوگوں سے لدی ہوئی بسیں پہنچیں' بظاہر یہ ان پڑھ دیہاتی لگتے تھے۔ انھوں نے اپنے ووٹنگ کارڈ پر کر رکھے تھے اور ان میں سرکاری امیدواروں کے حق میں رائے درج تھی' لیکن درحقیقت وہ فوج کے لوگ تھے۔ ان پڑھ ہونے کی آڑ میں انھوں نے اپنے ووٹ ڈال دیے جب کہ ان کے نام ووٹر لسٹ تک میں درج نہ تھے۔ سیکڑوں کی تعداد میں اصل ووٹر جب انتخابی مراکز پر پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کے ناموں کے آگے ووٹ ڈالے جانے کا نشان لگ چکا ہے' اس لیے وہ ووٹ نہ ڈال سکے۔ اسلامی تحریک نے اخباری بیانات کے ذریعے اور مختلف افسران کو خطوط کے ذریعے اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد اخوان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے ۱۶ ممبران پارلیمان سے کہہ دیں کہ وہ انتخابات کا بائیکاٹ کر دیں۔

اسلامی تحریک کے لیے بھی اور جمہوریت کے لیے بھی "امن منصوبہ" ایک بدشگونی بن گیا۔ "امن

منصوبے" کی ضرورت تھی کہ جمہوریت کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے۔ ۱۹۸۹ء کے انتخابات میں' جو شفاف تھے' اخوان اور حزب اختلاف کی دیگر جماعتوں نے ۷۰ فیصد نشستیں حاصل کرلی تھیں۔ ۱۹۹۳ء کے انتخابات سے قبل ایک قانونی ترمیم کے ذریعے ایسے حالات پیدا کر دیے گئے کہ حزب اختلاف ۳۵ فیصد سے زائد نشستیں حاصل نہ کر سکی۔ ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں حزب اختلاف پارلیمان تک پہنچ ہی نہ سکی۔ لیکن سارے کا سارا الزام حکومت یا "امن منصوبے" پر نہیں جاتا۔ اردن کے اخوان بھی اس کے ذمہ دار ہیں۔ انھیں اب اس کا احساس ہوا کہ بائیکاٹ کرنے کا اقدام' ان کی تاریخی غلطی تھا۔

داخلی انتشار

اسلامی ایکشن فرنٹ میں اخوان کے سابق اور موجودہ ارکان پارلیمنٹ جیسے سرکردہ لوگ شامل ہوئے۔ اپنے قائدین و کارکنان کے اعلیٰ معیار کے باوجود' فرنٹ کا سارا دارومدار اخوان پر تھا اور اخوان کو یہ اختیار حاصل رہا کہ وہ فرنٹ کو احکامات جاری کریں۔ وہ نئی سیاسی شخصیات کا ظہور دیکھ رہے تھے۔ تمام تر اختیارات فرنٹ کو تفویض کرنے کے بجائے ان کی کوشش یہ رہی کہ فرنٹ کبھی بھی ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نہ سرکا سکے۔ اس کی وجہ سے طرفین کے درمیان تناؤ میں اضافہ ہوا اور طاقت کے حصول کے لیے کش مکش سے بحران پیدا ہوا' نتیجہ یہ ہوا کہ فرنٹ کی سرگرمیاں عملاً ختم ہوگئیں اور دوسرے سیاسی گروہوں اور حکومت کی نظروں میں اس کا وقار باقی نہ رہا۔

اسرائیل اور اردن کے درمیان ۱۹۹۴ء کے "معاہدۂ امن" کے بعد جو اقدامات کیے گئے تھے' اخوان اس پر خوش نہ تھے۔ اخوان کے اکابرین کا موقف تھا کہ اسرائیل اور اردن کے درمیان تعلقات کی بحالی کی صورت میں سیاسی عمل میں شرکت درست نہیں۔ جمہوری عمل کی ساکھ اور افادیت کے بارے میں شکوک و شبہات مزید بڑھ چکے تھے۔ اسلامی ایکشن فرنٹ کے ارکان کا استدلال تھا کہ پارلیمان کے اندر جانے سے زیادہ نقصان باہر رہنے سے ہوگا۔ کچھ تو اس حد تک جا رہے تھے کہ منصوبہ امن کے باوجود' جس کے وہ مخالف تھے' حکومت میں شرکت کے فوائد پر زور دیتے تھے۔ ان کے خیال میں اس طرح اسرائیل سے تعلقات معمول پر لانے کے نقصان کو محدود کیا جا سکتا تھا۔

۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء کو اخوان کی ایک کانفرنس میں شرکت اقتدار کے حق میں اور خلاف دو مضامین پڑھے گئے۔ یہ اجلاس ایک طویل بحث کا اختتام تھا اور اس کا آخری فیصلہ استصواب کے ذریعے ہوا۔ معمولی سے فرق کے ساتھ فیصلہ یہ ہوا کہ انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے اور اسی کو اخوان کا سیاسی موقف قرار دیا گیا۔ اخوان کے ۲۰ چند ارکان نے بشمول تین سابقہ ممبران پارلیمان' فیصلے کو مسترد کیا اور استصواب کے درست ہونے پر شک و شبہ کا اظہار کیا۔

مذکورہ فیصلے کے محتاط تجزیے سے یہ بات بعدازاں واضح ہوئی کہ اخوان کے مرکزی عملے نے مسلسل ایسے سوچے سمجھے اقدامات کیے جن سے بائیکاٹ کے حق میں ووٹنگ کو متاثر کیا جاسکے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اخوان کا ترجمان السبیل بائیکاٹ کے حامیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے عام اخوان کی رائے کو متاثر کیا اور آخری نتیجے میں کردار ادا کیا۔ دوسری بات یہ کہ اخوان کے اندر اسو سب سے مؤثر ادارہ ہے۔ دینی نوعیت کی وجہ سے اس کے اخلاقی اثرات کسی بھی دوسرے ادارے کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس کا نظام مرکزی عملے کے کنٹرول میں تھا جس نے بائیکاٹ کے لیے مہم چلائی۔ اس کے ذریعے ارکان کی انفرادی رائے پر اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جو لوگ سیاسی عمل میں شرکت کرنا چاہتے تھے ان کے بارے میں مہم چلائی گئی کہ ان کے ذاتی مفادات ہیں۔ حکومت میں شرکت کے حامیوں کے بارے میں مستوزو (مستقبل کا وزیر) کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

اخوان کی ابھرتی ہوئی قیادت اسلامی ایکشن فرنٹ کو ایک فاصلے پر رکھنا چاہتی تھی اور طاقت سے محروم بھی۔ اس کا یہی راستہ تھا کہ ان کو بے مصرف اور بے عمل رکھا جائے۔ سیاسی عمل کے بائیکاٹ سے یہ مقصد ٹھیک ٹھیک حاصل ہوا۔ اخوان کا سیاسی پلیٹ فارم بننے کے بجائے' فرنٹ اخوان کا مدمقابل بلکہ متبادل بن گیا۔ ایک طرف تو یہ خوف لاحق تھا کہ اخوان کے روایتی کردار میں جھول آ جائے گا' دوسری طرف اخوان کے نئے رہنماؤں نے یہ محسوس کیا کہ اگر فرنٹ کے حق میں اخوان کے سیاسی کردار کو محدود کیا گیا تو وہ خود کبھی بھی عوامی شخصیت نہ بن سکیں گے۔

انتخابات کے بائیکاٹ کو دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ اخوان نے اپنے نقصانات گننا شروع کر دیے۔ اپنی ہی سیاسی جماعت کو بے وزن کر دینے اور پارلیمان سے باہر رہنے کے سبب ان کا ملکی معاملات سے کوئی سروکار نہیں رہ گیا ہے۔ ان پر تمام قسم کی پابندیاں عائد ہیں اور قومی اور عالمی سطح پر وہ کئی پلیٹ فارموں سے محروم ہو چکے ہیں' جن کے ذریعے وہ مختلف موضوعات پر اظہار خیال کر لیتے تھے۔ اس میں حکومت پر تنقید بھی شامل تھی۔

کھوئے ہوئے مواقع کی تلافی کے لیے اخوان نے آخرکار فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے موقف میں تبدیلی لے آئے۔ جولائی ۱۹۹۹ء میں تحریک نے فیصلہ کیا کہ مقامی بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا جائے۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بائیکاٹ کے فیصلے سے رجوع کیا جا رہا ہے۔ سیاسی عمل سے کنارہ کشی' چاہے کتنی محدود اور کتنی ہی مختصر ہو' کبھی بھی ایک حل نہیں ہونا چاہیے۔

اختتامیہ

جمہوری عمل سے اسلامی تحریکوں کو بے شمار فائدے پہنچے ہیں۔ یہ بھی کم نہیں ہے کہ اس سے ان

تحریکوں کے روایتی طرز فکر' ہیئت اور تنظیم کی خامیاں واضح ہوئی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان تطابق کا مسئلہ اسلام پسندوں کے لیے پریشانی کا اور مخالفین کے لیے تشویش کا باعث تھا۔ بہرحال تطابق کا یہ مسئلہ جلد طے ہوگیا۔ اسلام اور جمہوریت کے حوالے سے جو سوالات اٹھائے جاتے تھے کم سے کم احیاے اسلام کی تحریکوں نے ان پر بحث کی اور اطمینان بخش جواب دیے اور ان کو نمٹا دیا۔

اردن میں' اور عالم عرب میں دیگر مقامات پر بھی' اسلامی تحریک کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ جمہوری اقتدار کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا ہے جو رواداری' آزادی راے' شفاف طرز عمل اور احتساب کا تقاضا کرتا ہے۔ اسلامی تحریکیں اقتدار میں شرکت کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں اور جمہوری کھیل کے ضوابط کو تسلیم کرنے کا عہد کرتی ہیں۔ اس لیے انھیں نہ صرف قومی سطح پر بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنی تنظیموں میں جمہوری طریقہ کار کا احترام کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اردن میں اخوان کا بحران کوئی منفرد نہیں ہے۔ مصر میں خصوصاً اوسط کے واقعے کے اثرات کے بعد' جو شدید بیماری کی ایک علامت قرار دی جا سکتی ہے' بحران زیادہ شدید ہے۔ دنیا بھر میں اخوان کی شاخوں میں باہمی کش مکش کے عناصر موجود ہیں۔ یہ حکومتوں کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اسلامی تحریکوں کے اندر اپنے اداروں کو جدید بنانے اور اپنے طریقہ کار کو جمہوری بنانے کے خلاف مزاحمت کا ردعمل ہے۔ اسلامی تحریک کا حالیہ تجربہ واضح کر دیتا ہے کہ ابھی تک کیا سیاسی ہے اور کیا مذہبی ہے' اس بارے میں ذہن واضح نہیں ہیں' نیز ایک قائد اور مجلس عاملہ کے کردار کے بارے میں الجھاؤ (confusion) بڑے پیمانے پر موجود ہے۔ ایک ادارہ جو جمہوری ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اسے ایک سلسلۂ صوفیا یا ذاتی کاروبار کی طرح نہیں چلایا جانا چاہیے اور ایک منتخب منتظم کو یہ اجازت نہیں دی جانی چاہیے کہ وہ یہ دعویٰ کرے یا ایسا ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کر رہا ہے اور اس لیے وہ غلطی نہیں کر سکتا

(۱۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو کیوٹو یونی ورسٹی' جاپان میں پڑھا گیا۔ بہ شکریہ Encounter' جلد ۵' شمارہ ۲' مجلہ اسلامک فاؤنڈیشن' لسٹر' برطانیہ)۔

حواشی

1. *Facts About Jordan: Government and Politics;* *Factsheet No. 2* (Washington, DC; The Jordan Information Bureau, Nov. 1992).
2. M. Al-Hasan, *Al-Ikhwan fi Sutur* (The Brotherhood in Brief) (Amman, 1990), p. 56.
3. Qutb; *Milestones*, English edition (New Delhi; Naushaba Publications, 1991). See also S. Qutb; *Islam: The Religion of the Future*, English edition (Kuwait: The International Islamic